مرثیہ کو ادب عالیہ سے نکالنے کی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی

ڈاکٹر سید تقی عابدی

ڈاکٹر سید تقی عابدی کا شمار انیس و دبیر اور اقبال کے ماہرین میں ہوتا ہے وہ ممتاز محقق کی حیثیت سے معروف ہیں اور ادبیات اردو کے ایک سچے شاعر، اچھے نثر نگار اور دیدہ ور نقاد بھی ہیں۔ روایتی تنقید کی بجائے غیر روایتی تنقید کے قائل ڈاکٹر عابدی ادب کے نہیں بلکہ علم طب کے ڈاکٹر ہیں۔ علم عروض کے علاوہ علم بیان و معانی میں ان کو دستگاہ حاصل ہے۔ وہ ہندوستان کی سر زمین پر پیدا ہوئے لیکن ان دنوں کناڈا میں مقیم ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں شہید، جوش مودت، گلشن رویا، عروس سخن، رموز شاعری، اقبال کے عرفانی زاویے، انشا اللہ خان انشا، سلک سلام دبیر، مجتہد نظم مرزا دبیر، طالع مہر، اظہار حق، تجزیہ یادگار انیس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ گزشتہ دنوں وہ ساہتیہ اکادمی کے زیر اہتمام انیس اور دبیر پر دو سو سالہ سمینار میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لائے تھے۔ پیش خدمت ہیں ان سے مشتاق صدف کی بات چیت کے اہم اقتباسات۔

آپ ماہر انیسات اور دبیریات ہیں۔ آپ کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ انیس اور دبیر کے متن کے ساتھ ابھی تک انصاف نہیں کیا جاسکا۔ کیا اس کی تلافی ممکن ہے۔ اگر ہاں تو کیسے؟

بالکل...! میر انیس اور مرزا دبیر اردو کے دو عظیم شاعر ہیں جن کے ساتھ گزشتہ صدی میں خاص طور سے انصاف نہیں کیا گیا۔ یقیناً اس سہل انگاری کی تلافی ان دونوں شعرا کے کلام کی تشہیر، پھر تصحیح کے ساتھ کلام کی تدوین و ترتیب اور ادب عالیہ ہی میں نہیں بلکہ تحتانیہ اور فوقانیہ مدرسوں کے نصاب میں مرثیہ کی تعلیم شامل ہے۔ مرثیہ اور مرثیہ نگاروں پر سیمینار اور ورک شاپ بھی عوام کی آشنائی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ انیس اور دبیر کے پورے کلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ منتخب کلام بھی شائع ہونا چاہیے اور یہ سب اس لیے بھی ضروری ہے کہ رثائی ادب کو فروغ دیے بغیر ادب کی تطہیر کا تصور ممکن نہیں۔

آپ کا کہنا ہے کہ رثائی ادب کو فروغ دیے بغیر ادب کی تطہیر کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، تو اب تک جو کچھ ادب تخلیق ہوا ہے اسے کیا کہیں گے؟

ہر ادب میں اخلاقی اقدار موجود ہوتی ہیں چنانچہ اردو نظم میں بھی پاکیزہ رجحان موجود ہے لیکن وہ صنف سخن جس کا مقصد اصلی نظم کی پاکیزگی، اخلاق و کردار کی نمو، قربانی اور جانثاری کی تعلیم، حسب مراتب اور ایک صحت مند جامع کی تعمیر ہو وہ صرف مرثیہ ہی ہوگا، اسی لیے مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں صنف مرثیہ کو اخلاق، کردار اور پاکیزہ اقدار کا محور بتایا ہے۔ آج تک جو کچھ بھی ادب تخلیق ہوا ہے وہ گلدستۂ سخن ہے جس میں پاکیزہ غزل کے ساتھ ساتھ چوما چاٹی کی شاعری بھی موجود ہے۔ بعض نظمیں ہزل، بذلہ سنج ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی معیار سے بہت نیچے نظر آتی ہیں لیکن صرف مرثیہ ہی ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں صرف پاکیزگی اور خوب سے خوب تر کی جستجو ہے۔

آپ مرثیے میں خوب سے خوب تر کی جستجو کی بات کررہے ہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج مرثیے کا فن ہی تقریباً دفن تک ہوچکا ہے۔ آپ ہماری اس بات سے کس حد تک اتفاق کرتے ہیں؟

یہ سچ ہے کہ مرثیہ گوئی کا سنہری دور میر انیس اور مرزا دبیر کے ساتھ ختم ہو چکا لیکن ابھی یہ فن زندہ ہے اور دنیائے ادب میں مرثیہ کی وہ اہمیت نہ ہونے کے باوجود ابھی جدید مرثیے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ مرثیہ گوئی کی ترقی اردو ادب کی ترقی کی ضامن تھی چنانچہ جب مرثیہ گوئی کا سنہری دور اوج پر تھا تو ادب کی ترقی اس قدر زیادہ نظر آئی کہ اس کے پچیس تیس برس بعد اردو ترقی بورڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اب مرثیوں سے روگردانی کے دور میں یہ ترقی رک گئی ہے اور اگر یہی حال رہا تو اردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہوگی۔

تو پھر ہم اکیسویں صدی میں مرثیے کی اہمیت و افادیت کو کس نگاہ سے دیکھیں؟

اردو ادب کی وہ شاہکار اصناف جو دنیائے ادب کے جواہر پاروں کے مقابل پیش کی جاسکتی ہیں، صرف مرثیہ اور بعض مخصوص شعرا کی غزلیں ہیں۔ اسی لیے مولانا آزاد نے کہا تھا ''میر انیس کے مراثی اور مرزا غالب کی غزلیں اردو ادب کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر کسی صنف میں اردو ادب نے فارسی سے زیادہ ترقی کی ہے تو وہ صرف مرثیہ ہی ہے۔ آج کے اس دور میں بھی میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں کے صرف چند بند جو تمام دنیا کی اردو زبان کی محرم مجالس میں پڑھے جاتے ہیں، وہ ان مرثیوں کی افادیت کے گواہ ہیں۔ انہی چند بندوں سے ناآشنا لوگ بھی اردو نظم سے آشنا ہوجاتے ہیں۔ جس طرح اردو اخبارات، فلمی گانے اردو عوام کی اردو آشنائی کے لیے اہم راستے ہیں، اسی طرح مرثیے بھی اسی ترقی کی راہ پر روشن چراغ ہیں جو اردو کے راستوں کو منور کیے ہوئے ہیں۔

جب مرثیے میں اتنی ساری خصوصیات موجود ہیں تو کیا اسے ادب العالیہ میں شامل کرنے کا مطالبہ درست ہے؟

مطالبہ کیسا...؟ مرثیہ تو ادب عالیہ میں شامل ہے۔ اگرچہ آج کل بعض مقامات پر اس صنف کو مذہبی موضوع بنا کر ادب عالیہ سے نکالنے کی مہم جاری ہے لیکن یہ سازش اس لیے پوری نہیں ہوسکتی کہ اس کے ادب سے مکمل خارج کرنے پر ادب کا بنیادی ڈھانچہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں میں مرثیہ اعلیٰ جماعتوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اعلیٰ جماعتوں کے ساتھ ساتھ مرثیہ کی صاف ستھری زبان سے فوقانوی اور تحتانوی جماعتوں کے طالب علموں کو بھی روشناس کرایا جائے۔ ادب کی ساختمان اس وقت پائیدار ہوگی جب بنیاد مستحکم ہو۔

کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ مرثیہ اپنے پابند اجزائے ترکیبی کی وجہ سے متاثر ہوا ہے۔ کیا موجودہ دور میں مرثیے کے اجزائے ترکیبی میں کمی یا بیشی کی گنجائش باقی ہے؟

مرثیے کے کلاسیکی اجزائے ترکیبی میں چہرہ، گریز، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن جدید مرثیہ میں لازم نہیں کہ یہ اجزا موجود ہوں۔ چنانچہ آج کے دور کی ضروریات کے تحت بعض اجزا جن میں چہرہ، شہادت اور بین کے اشعار شامل ہیں، مرثیہ کی شناخت نظر آتے ہیں جبکہ آمد، رجز اور جنگ جس میں تلوار، گھوڑا اور لڑائی شامل ہیں، جدید مرثیوں میں خال خال ہیں۔

آپ مرثیے کو حقیقت پسندی اور موضوعات کی حد تک ترجیح دیتے ہیں یا صرف عقیدت کی حد تک، یا دونوں ہی کو؟

ہم مرثیہ کو ادبی شاہکار، عمدہ صنف سخن اور تاریخی موضوع کے ساتھ ساتھ عقیدت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔

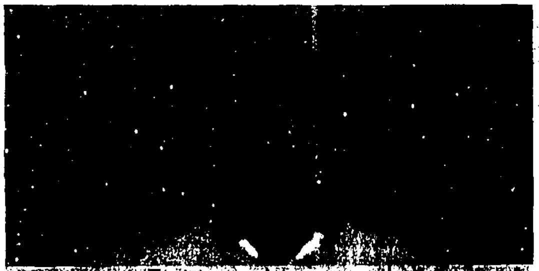

''آج بھی اس دور میں بھی میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں کے صرف چند بند جو تمام دنیا کی اردو زبان کی محرم مجالس میں پڑھے جاتے ہیں وہ ان مرثیوں کی افادیت کے گواہ ہیں۔ انہی چند بندوں سے ناآشنا لوگ بھی اردو نظم سے آشنا ہوجاتے ہیں جس طرح اردو اخبارات، فلمی گانے اردو عوام کی اردو آشنائی کے لیے اہم راستے ہیں، اسی طرح مرثیے بھی اسی ترقی کی راہ پر روشن چراغ ہیں جو اردو کے راستوں کو منور کیے ہوئے ہیں۔''

آپ مرثیے کو عقیدت کا سرچشمہ قرار دے رہے ہیں اور مناسب بھی ہے۔ لیکن سنا گیا ہے کہ بعض ذاکرین اپنی مجلسوں کو کامیاب بنانے اور محفلوں میں رقت پیدا کرنے کے لیے رونے والوں کو معاوضے اور کرایے پر لایا کرتے تھے۔ انہیں لکھنؤ کی اصطلاح میں ''میر بقائی'' کہا جاتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے عقیدت پر ضرب آتی ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟

جہاں تک اس سوال کے جواب کی بات ہے تو مجھے یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس کے بارے میں زیادہ اطلاعات نہیں ہیں۔ لیکن بین کے بند ہر مرثیہ میں شعراء کے ہوا کرتے تھے اور مرزا دبیر کے پاس بالخصوص بین کے بند زیادہ ہوا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہو کہ بعض لوگ، بعض ذاکرین اپنی محفل اور اپنی مجلس کو جمانے کے لیے کچھ ایسے کام کرتے ہوں گے، لیکن جہاں تک ادبی دستاویزات کا تعلق ہے، میں نے کسی کتاب میں یہ روایت نہیں دیکھی، اگر سید بہ سید کسی کے ساتھ آئی ہو تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اس موقع پر میں دبیر کی ایک رباعی جو شاید اسی موضوع پر ہو، پیش کرتا ہوں۔

کیا لوگوں نے ماتم کے مزے لوٹے ہیں
ثابت ہے والا شیشۂ دل ٹوٹے ہیں
یاں اشک ریائی کی بھی قیمت ہے بہشت
موتی سچے ہیں جوہری جھوٹے ہیں

آج کل کم و بیش ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ انیس اور دبیر جیسے بڑے شعرا اب پیدا نہیں ہونے والے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اب نہ وہ ادبی ماحول باقی ہے اور نہ وہ ادبی ریاضت کا دبستان۔ جب غزل اور مثنوی میں میر اور میر حسن نہیں تو مرثیے میں انیس اور دبیر کیوں کر ہوسکتے ہیں۔ دیکھیے کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کیا ایسا تو نہیں کہ آج کے شعرا ان فنی لوازم کو ترجیح نہیں دیتے جس پر انیس اور دبیر دیا کرتے تھے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اگر ہاں تو ذرا یہ بتائیں کہ آج ایک مرثیہ نگار کو کن چیزوں پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ کیا اظہار کے لیے مرثیہ گو کو اطناب کی شاعری کے توازن پر قدرت رکھنا ضروری ہے؟

صحیح روایات، تاریخی واقعات، فن پر قابو اور زبان دانی مرثیہ نظم کرتے وقت بہت ضروری چیزیں ہیں۔ ولی دکنی نے کہا تھا خام مضمون مرثیہ کہنے سے چپ رہنا بھلا دبیر نے فرمایا

جب تک نہ ادب علم سے کچھ بہرہ اے دبیر
کوئی نہ ڈالے مرثیہ گوئی کے فن میں ہاتھ

مرثیہ اور خود میر انیس کی نیچرل شاعری پر یہ اعتراضات ہمیشہ ہوتے رہے ہیں کہ منظرنگاری کربلا کے ریتیلے اور بے آب و گیاہ میدان میں کیا جواز رکھتی ہے؟ آپ اسے کس نظریے سے سوچتے ہیں؟

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ میر انیس ایک فطری عظیم شاعر تھے اور وہ مورخ نہ تھے۔ میر انیس نے اپنے کئی مرثیوں میں منظر کشی کرنے سے پہلے یہ بھی نظم کیا ہے کہ امام مظلوم کے قدم سے دشت کربلا گلزار بن گیا اور پھر گلزار کی مرقع کشی کی۔ امام مظلوم کا وجود خود اس مقام کو رشک فردوس میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس طرح ذہنی طور پر خلد، بہشت، گلشن کا تصور شعرانہ تخیل سے باہر نہیں۔ اگر میر انیس ہندوستانی باغات، چمن زاروں، کھیتی اور فصل کی منظر کشی کرتے ہیں تو وہ ہندوستانی سماج کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مناظر بھی پیش کرتے ہیں تاکہ سننے والے پر اثر ہوسکے اور واقعہ پر یقین بھی ہوسکے۔

چونکہ یہ مطالب طولانی مباحث اور طولانی تحریر میں واضح کیے جاسکتے ہیں اس لیے اس گفتگو کو ہم کسی آئندہ موقع پر بیان کریں گے۔ فی الحال اتنا ہی۔ ■